© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر و نظر

دینی تعلیم اور معاشرے کی اسلامی تشکیل

مدارسِ دینیہ کے تناظر میں

رمضان المبارک سے قبل دینی مدارس کا تعلیمی سال مکمل ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر سال دینی مدارس سے سینکڑوں فضلا فارغ التحصیل ہوتے ہیں، لیکن آگے معاشرے میں مدارس کے ان فضلا کے لئے مناسب گنجائش موجود نہیں ہوتی، اس لئے مدارس کو اپنی تعلیم کی نوعیت میں تبدیلی کر کے اپنے نصاب کو دین و دنیا کا اس طرح جامع بنانا چاہئے کہ اس کے فضلا تحصیل علم کے بعد محض مسندِ علم وارشاد سنبھالنے کی بجائے دیگر شعبہ ہائے زندگی میں بھی کھپ سکیں۔ بعض لوگ آگے بڑھ کر یہ بھی کہہ جاتے ہیں کہ مدارس کے یہ ضرورت سے زائد فضلا اپنے اپنے حلقے میں تعصبات کے پھیلاؤ اور ان کی بنا پر غیر ضروری مراکز و مساجد کے قیام کا سبب بنتے ہیں اور فرقہ وارانہ سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ بسا اوقات تشدد پسندی میں بھی ملوث ہو جاتے ہیں۔

ایک طرف اس طرح کے خیالات رکھنے والے لوگ ہیں تو دوسری طرف یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مدارس کے فضلا کی مزعومہ کثرت اپنی جگہ لیکن معاشرے میں مطلوبہ دینی رہنمائی کے لئے خلا بھی روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اور مختلف دینی مناصب پر کام کرنے کے لئے موزوں اَفراد کے حصول میں بہت دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے، حتیٰ کہ بعض اوقات وہ سرے سے دستیاب ہی نہیں ہو پاتے۔ ایسے لوگ جو مدارسِ دینیہ کے تعلیم یافتہ ہیں، ان کی تعداد تو کافی ہے لیکن ان میں موزوں طور پر دینی خدمات انجام دینے والے اور معاشرے کے دینی تقاضے پورے کرنے والے لوگ خال خال دکھائی دیتے ہیں، البتہ اس قلت کا احساس وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں اللہ نے فکر وبصیرت اور اسلام سے گہری وابستگی کی نعمت سے بہرہ مند کیا ہے۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ مدارس میں مطلوبہ تربیت نہیں ہو پاتی یا مدارس کے ذہین طلبہ دینی رہنمائی کے بجائے دیگر شعبوں کا رخ کر لیتے ہیں اور اس نظام میں بچے کھچے طلبہ رہ جاتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مدارس کے فضلا کے کردار کو توسیع دیئے بغیر بھی معاشرے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جملہ دینی تقاضے پورے نہیں کیے جاسکتے۔ تفصیل اس اِجمال کی حسبِ ذیل ہے:

تعلیم اور معاشرہ کا باہمی تعلق

واضح رہنا چاہیے کہ کسی بھی تعلیمی ادارے یا نظامِ تعلیم کے لئے محض ایک مثالی نظامِ تعلیم و تربیت دے دینا ہی کافی نہیں اور کسی ادارے میں تعلیم و تربیت کے مثالی ہوجانے کا بھی یہ مطلب نہیں کہ ایسے لوگ مستقبل میں اپنے تحصیل علم کے اہداف و مقاصد پورے کرپائیں گے بلکہ فی زمانہ بعد از فراغت، معاشرے میں ان کے لئے مجوزہ کردار غیر معمولی اہمیت کا حامل ہوچکا ہے۔ بہت سے تعلیمی ادارے محض اس وجہ سے کامیاب نہیں ہوپاتے کہ ان کے بیش قیمت فضلا کی خدمات کی معاشرے میں گنجائش نہیں ہوتی۔

تعلیم کا معاشرے سے بڑا گہرا اور براہِ راست تعلق ہے جو مختصراً یہ ہے کہ تعلیم معاشرے کو مطلوبہ سمت میں نشوونما کے لئے درکار اَفراد فراہم کرتی ہے۔ اَفراد سے ہی معاشرہ وجود میں آتا ہے اور ان میں تعلیم یافتہ اور باصلاحیت افراد اپنے معاشرہ کو مخصوص سمت ترقی دیتے ہیں۔ لوگ مخصوص پہلو پر اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتے اور بعد میں معاشرے میں اپنی خدمات انجام دے کر معاشرتی عمل میں جذب ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی معاشرہ سائنس و ٹیکنالوجی کی سمت پیش قدمی کرنا چاہتا ہے تو وہاں سائنس و ٹیکنالوجی کے علوم کے ماہرین کی بڑی ضرورت موجود ہوجانے کے سبب بڑی آسانی سے کھپت ہوجاتی ہے اور یہ معاشرہ ایسے ماہرین کو تحصیل علم کے بعد مصروفیت، عزت اور شخصی و علمی ارتقا کے اِمکانات فراہم کرتا ہے جس کے نتیجے میں اس رخ پر معاشرے کی ترقی ہونا ممکن ہوجاتی ہے۔ ایسا معاشرہ جو دینی اہداف و مقاصد کی بجائے خالصتاً مادی ترقی پر کاربند ہو، تو ایسے معاشروں میں دینی علوم کے ماہرین کی کھپت تو دور کی بات، ان کی صلاحیتوں سے استفادہ بھی نہیں کیا جاتا، یوں اس مخصوص میدان میں ان کی صلاحیتیں پروان چڑھنے سے بھی محروم رہ جاتی ہیں اور معاشرہ اس سمت تنزل کا شکار ہوجاتا ہے۔

ایسی صورتحال میں دینی تعلیم یافتہ حضرات کو حالات پر انحصار کرنے کی بجائے دو میدانوں میں کام کرنا پڑتا ہے، دینی اہداف کی تکمیل کے لئے دینی خدمات اور اپنے معاش کے لئے ایک ایسی متوازی مصروفیت جس کی معاشرہ کفالت مہیا کرتا ہو۔

ایک طرف درسگاہ سے سندِ فضیلت کے بعد معاشرہ میں اس کی ضرورت اور گنجائش کا پہلو قابل غور ہے تو دوسری طرف کسی بھی علم کی تکمیل اور اس میں مہارت بھی عملی زندگی میں اسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار کرنے سے مشروط ہے۔ درسگاہیں تو محض اپنے طلبہ کو کسی علم کا دروازہ کھولنے اور اس فن کے ماہرین کے خیالات سے استفادہ کرنے کی بنیادی صلاحیت پیدا کرتی ہیں۔ درسگاہوں میں حاصل کی جانے والی تعلیم کسی بھی میدان کی مسلمہ معلومات کا نچوڑ ہوتی ہے جس کو عملی زندگی میں اختیار کرنے کے بعد ہی انسان اس کو اپنی شخصیت کا حصہ بناتا، اپنی ذاتی کاوش سے اس میں پختگی لاتا اور حالات کی ضرورت کے مطابق اس میں مزید ارتقائی منزلیں طے کرتا ہے۔ چنانچہ کوئی شخص اگر سائنس کی تعلیم کے بعد عملاً زبان دانی کے کسی میدان کو بطورِ روزمرہ اختیار کرلے تو اس کا سائنس کا علم نہ صرف یہیں تک رک جائے گا بلکہ روز بروز نظر انداز ہوتا جائے گا، یہی صورتحال دینی تعلیم کی بھی ہے۔ تاہم دینی تعلیم کے میدان میں تعلیم حاصل کرنے سے بڑھ کر کہیں سنگین مسئلہ اس تعلیم کا معاشرتی دھارے میں استعمال ہے۔ سینکڑوں لوگ دینی تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں لیکن بعد از فراغتِ علم ان کی کاوشوں کا محور کیا ہوگا؟ اس صورتحال سے حیران و پریشان ہوکر آغاز میں ہی لوگ یہ بھاری پتھر اُٹھا کر رکھ دیتے ہیں۔ الغرض دینی مدارس کو اس وقت تحصیل علم اور اس میں مطلوبہ مہارت سے بڑھ کر اپنے فضلا کے مستقبل کی مفید مصروفیت کا سنگین مسئلہ درپیش ہے!!

تعلیم پر معاشرہ کا یہ جبر دورِ حاضر کا ایک مسلمہ ہے۔ ماضی کے سادہ معاشروں میں کسی میدان میں قابل افراد کی تیاری ان کے لئے اس میدان میں ذاتی قابلیت کے بل بوتے پر اپنا راستہ آپ بنانے کا امکان پیدا کردیتی تھی، لیکن جب سے معاشروں کی تشکیل اور رجحانات پر جدید ریاستی اداروں نے غلبہ جمایا ہے اور افرادِ معاشرہ کی چند بنیادی ضروریات کی کفالت کے نام پر تشکیل پانے والا اِدارۂ ریاست، اپنے عوام کے ہر مرحلہ زندگی میں دخل اندازی کرکے، حکومتی اقتدار و اختیار کے بل بوتے پر، معاشرے کے ہر پہلو میں اپنا تسلط گہرا کررہا ہے، تب سے معاشرے پر مخصوص نوعیّتوں کے تعلیم یافتہ افراد کو اپنا مطلوبہ معاشرہ خود سے تشکیل دے لینے میں شدید دقت پیش آرہی ہے۔ اور یہ مشکل اس وقت مزید دوچند ہوجاتی ہے جب بین الاقوامی جبر و استعمار اور علاقائی حکومت دونوں کا براہِ راست نشانہ ہمارا دین بن جائے اور اُن کا ہر وار براہِ راست ہماری دینی اسا ـت پر ہو تو ایسے حالات میں مسلمانوں کے معاشرے میں دین کی شدید ضرورت کا احساس ہونے کے باوجود دینی علوم کے ماہرین کے لئے مطلوبہ تقاضوں کے مطابق معاشرے میں اپنا کردار ادا کرنا مشکل تر بن جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشرہ کی تشکیل میں باصلاحیت اور صاحبِ علم حضرات اساسی کردار رکھتے ہیں کیونکہ معاشرہ دراصل انہی لوگوں کا نام ہے اور انہی کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ البتہ ریاستی ادارے کی ترقی واستحکام کے بعد قابل افراد کی یہ تیاری فطری ضروریات اور دینی تقاضوں پر منحصر ہونے کی بجائے زیادہ تر ریاستی اقدامات کی ہی مرہونِ منت ہوگئی ہے۔ ریاست پر قابض طبقہ اپنے مخصوص اہداف کے لئے تعلیمی ادارے پروان چڑھاتا اور ایسے فضلا کے لئے ترقی کے امکانات فراہم کرتا ہے جو اس کے مفادات، ضروریات یا نظریات سے ہم آہنگ ہوں۔ اس مقصد کے لئے وہ مقابل میں ایسے بہت سے فضلا کی کھیپ میسر کردیتا ہے جو ریاستی سرپرستی سے بھرپور طور پر متمتع ہوں جس کی وجہ سے ریاست کو قابل اَذہان بڑی تعداد میں میسر آجاتے ہیں۔ اور فطری ودینی ضروریات کے تحت معاشرہ کی تشکیل کرنے والے محبّ دین وملت فضلائے مدارس کے بالمقابل ایسے فضلا زیادہ دُنیوی کامیابی حاصل کرلیتے ہیں۔ الغرض ہر دو قسم کے فضلا کے مابین مخصوص نوعیت کے معاشرہ کی تشکیل کے لئے لگاتار کوششیں ہوتی رہتی ہیں اور دونوں باہم نبرد آزما رہتے ہیں۔

مسلم معاشروں پر سیکولر اثرات

جوں جوں کسی بھی مادی طور پر ترقی یافتہ یا دوسرے الفاظ میں سیکولر معاشرے میں نظم وضبط اور استقرار واستحکام بڑھتا جائے گا، توں توں اس معاشرے میں دین کا کام کرنا مشکل تر ہوتا جائے گا۔ دیہاتی (جدید اصطلاح میں 'غیر متمدن') معاشرے جدید شہروں کے مقابلے میں دینی سرگرمیوں کو وسیع تر گنجائش فراہم کرتے ہیں۔ یہ دعویٰ لاہور اور فیصل آباد یا گوجرانوالہ جیسے شہروں میں دینی سرگرمیوں کا تقابل کرنے پر بخوبی واضح ہوسکتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی لادین معاشرے میں اہل دین سے توقع رکھے جانے والے تقاضے بھی روز افزوں ہوتے ہیں۔ ان کے لئے اصلاحِ احوال کے اہداف تو روز بروز بڑھتے جاتے ہیں لیکن ان کے پیش نظر مشن میں آگے بڑھنا مشکل تر ہوتا جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل سادہ یا اسلامی معاشروں میں اہل دین کا اِعزاز ووقار اور ان کے لئے کام کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے اور معاشرے کے دیگر عناصر نہ صرف ان کی خدمات کی معاونت کرتے ہیں بلکہ ان عناصر کی بنا پر دینی کام کے تقاضے بھی قابل عمل ہوتے جاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر آپ معمولی غور وفکر سے کام لیں تو تعلیم اور معاشرے کے بارے میں پیش کردہ ان نظریات کی پاکستانی معاشرے میں کارفرمائی آپ بخوبی محسوس کرسکتے ہیں۔ پاکستانی معاشرہ چند برسوں سے دین اور اہل دین کے لئے روز بروز اجنبی ہوتا جارہا ہے۔ ریاستی اقتدار کے بل بوتے پر گذشتہ برسوں میں اہل دین کو لگاتار اس طرح نشانہ بنایا گیا ہے کہ اس کے پورے معاشرے پر سنگین اثرات مرتب ہوئے ہیں: ایک طرف مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کی تعداد میں خاصی کمی آئی ہے تو دوسری طرف ممتاز ومخلص علما ہمارے معاشرے سے روز بروز عنقا ہوتے جارہے ہیں۔ علم وارشاد کی مسندیں ویران ہیں اور چند برس قبل پائے جانے والے عظیم اساطینِ علم کا شدید فقدان ہے۔ معاشرے کی سیکولرائزیشن کے سبب جوں جوں معاشرے کی حقیقی دینی ضروریات میں اضافہ ہورہا ہے، توں توں مخلص اہل دین ناپید ہورہے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اہل دین کے لئے معاشرے میں مطلوبہ کردار کو پورا کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف بنادیا گیا ہے۔

اگر مسلم دنیا کے معاشروں کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو پاکستان سمیت اس وقت تمام مسلم دنیا کے معاشرے سیکولر بنیادوں پر قائم ہیں اور سعودی عرب ہی وہ واحد سرزمین ہے جہاں اسلامی معاشرت کی بہترین 'میسر مثال' موجود ہے جو عراق میں امریکی تسلط اور شدید عالمی دباؤ کے بعد بڑی تیزی سے روبہ تنزل ہے۔ مذکورہ بالا اندیشے سعودی عرب میں تاحال شدید نہیں ہوئے اور وہاں کے علماے کرام نہ صرف معاشرے کی مطلوبہ رہنمائی کا فریضہ بخوبی انجام دے رہے ہیں بلکہ ان کی قدر ومنزلت بھی غیر معمولی طور پر مستحکم ہے اور وہ اپنے معاشروں کی قیادت کررہے ہیں۔ اس کے بالمقابل دیگر مسلم دنیا میں حکومتی اِقدامات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی دینی صورتحال انتہائی ابتر ہے جس میں اُمید کی واحد کرن ان معاشروں کے افراد بالخصوص نوجوانوں کا ذاتی طور پر دین کی طرف روز بروز بڑھنے والا رجوع ہے۔

فضلاے مدارس کا مطلوبہ معاشرتی کردار

معاشروں کی ہمہ جہتی اصلاح ایک عظیم کام ہے، لیکن ایسا اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک علماے کرام کے مطلوبہ معاشرتی کردار کے بارے میں سنجیدگی سے غور وفکر نہ کیا جائے۔ ماضی میں مسلم سرزمین پر قبضہ کرلینے والے استعمار نے بزورِ قوت ترقی کے نام پر ہمارے معاشروں کو ان کی دینی اساس سے محروم کرکے خالصتاً الحادی بنیادوں پر قائم اور جاری وساری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کردیا اور معاشرتی میدانوں میں اسلامی تقاضوں کو معطل کر دیا۔ نتیجتاً مقبوضہ علاقوں کے مسلمان باشندوں نے بھی ان موضوعات پر اپنے دین سے رہنمائی لینا ترک کردی اور یہاں کے علماے کرام بھی اپنے اس محدود کردار پر ہی انحصار کر گئے۔ مسلم ممالک کی آزادی کے ساتھ اس صورتحال میں تبدیلی آنا انتہائی ضروری تھا لیکن دورانِ غلامی ایسا طبقہ وجود میں لایا گیا تھا جو مغربی نظریات کا تربیت یافتہ اور فکرِ الحاد کا اسیر تھا، مزید برآں یہاں سے ظاہری روانگی سے قبل سامراج اپنے ایجنٹوں کو یہاں مسلط کر گیا اور مسلم معاشروں میں مطلوبہ تبدیلی واقع نہ ہوسکی!!

جہاں تک اسلام کی معاشرتی ہدایات کا تعلق ہے تو قرآن وسنت میں فرد کی تربیت و اِصلاح کے ساتھ معاشرے کو دین پر قائم کرنے کی ضرورت کو بھی بڑی شدت سے اُجاگر کیا گیا ہے اور اس کے تفصیلی احکامات موجود ہیں۔ مسلمانوں کی سیاست وعدالت، معیشت ومعاشرت اور تعلیم وابلاغ کا کیا منہج ہونا چاہئے، اس کی تفصیلات پر کتبِ حدیث وفقہ میں براہِ راست بیسیوں اَبواب موجود ہیں، اور قابل ذکر امر یہ ہے کہ اسلام کا حقیقی امتیاز اور مروّجہ تہذیب ومعاشرت سے برتری سماجیات (سوشل سائنسز) کے انہی میدانوں میں ہے جس کو مسلم معاشروں میں نسیاً منسیاً کیا جاچکا ہے۔ اسلامی احکامات میں فرد سے ادائیگی ٔفرض کا تقاضا کیا جاتا ہے لیکن اس کی برکات مسلم اجتماعیت ومعاشرت بحال ہونے کی صورت میں ہی حاصل ہوتی ہیں۔ بطورِ مثال صلوۃ وزکوٰۃ ایک انفرادی حکم ہے لیکن ان احکامات کی بجا آوری مسلم معاشرے کو ہمدردی، حسن تعلق اور باہمی کفالت کے کیسے قیمتی رویوں سے روشناس کراتی ہے اور اس کے نتیجے میں مسلم اُخوت کس طرح پروان چڑھتی ہے، ایسا مسلم معاشرت کے نافذ العمل ہوجانے کے بعد ہی پتہ چل سکتا ہے۔ سود، اِنشورنس اور جوے کی حرمت یا اسلامی عقوبات بظاہر کڑی پابندیاں لگتی ہیں، لیکن اس کے معاشرے پر مثبت اَثرات اہل نظر سے مخفی نہیں!

افسوس کہ ہمارے اہل علم ودین حضرات اس وقت اسی رُشد وہدایت پر قانع ہوئے بیٹھے ہیں جس کی اجازت ہمارے سیکولر معاشروں نے ہمیں دے رکھی ہے۔ اُنہوں نے اسی کردار پر اکتفا کررکھا ہے جو دو رکعت کی امامت کا کردار ان کو ان سیکولر حکومتوں نے عطا کردیا ہے۔ محمد عربی ﷺ کی وراثتِ علمی کے دعویداروں کو تو معاشرے کا قائد بننا تھا، اور یہ قیادت عبادات وعقائد سمیت جملہ معاشرتی میدانوں میں بھی اسلامی احکامات کو زندہ وتابندہ کئے بغیر حاصل نہیں کی جاسکتی۔ ہمیں معلوم ہے کہ رحمۃ للعالمین ﷺ مکہ ومدینہ میں مسلمانوں کی عبادات کے ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام نہیں تھے اور مسلمانوں کے خاندانی معاملات کے فتووں تک ہی ان کا کردار محدود نہیں تھا، بلکہ آپ ﷺ کا اصل کارنامہ اس بندگی کے نتیجے میں ایک مسلم معاشرہ کا بھرپور قیام تھا جس کے آپؐ سیاسی، عسکری اور عدالتی سربراہ بھی تھے۔ مسلمانوں کی معیشت اور تعلیم بھی آپ کی ہدایات کے تحت ہوتی تھی، تبھی وہ معاشرے اقامتِ دین کے سبب اللہ کی رحمتوں کے مستحق ٹھہرتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ استعماری اقدامات کے نتیجے میں اہل دین کا اس کردار تک محدود ہوجانا جس قدر سیکولرزم میں گوارا ہے، درحقیقت ان اہل دین کا بھی اسلام کی بجائے سیکولر تصورات پر عمل درآمد کرنے اور اس پر اکتفا کرنے کا نتیجہ ہے۔ ہم لوگ سیکولرزم پر تنقید کرتے نہیں تھکتے لیکن خود اسی 'سیکولر رویہ' پر عامل اور کاربند ہیں۔

سیکولرزم کے دیے ہوئے نظامِ تعلیم کے فی الوقت دو اساسی دھارے ہیں: ایک سکول سسٹم اور دوسرا مدرسہ نظامِ تعلیم، اور دونوں کے تیار شدہ فضلا جس جس دائرۂ عمل میں کام کررہے ہیں **وہ سیکولر نظام معاشرہ کے ہی عطا کردہ ہیں۔ یہ دونوں نظامِ تعلیم اس وقت دین ودنیا کی تفریق پر** کاربند ہیں۔ اگر کوئی جدید تعلیم حاصل کرتا ہے تو وہ معاشرہ کے دنیوی تقاضے پورے کرنے اور اپنی دنیا سنوارنے میں مگن ہوجاتا ہے، اور اگر کسی کو دینی علم حاصل کرنے کی توفیق ارزانی ہوجائے تو وہ مساجد کی امامت وخطابت کے علاوہ، اس حد تک لوگوں کی دینی رہنمائی کا منصب سنبھال لیتا ہے جہاں تک سیکولر ولٰد معاشرت نے دنیا بھر میں اجازت دے رکھی ہے اور وہ ہے زندگی کی اہم رسوم ورواج اور عبادات (پرائیویٹ لائف) کو اپنے دین کے مطابق گزارنا۔ گویا ایک گروہ فرنگی معاشرت میں کھوگیا اور دوسرا تہ محرابِ مسجد سوگیا۔ اگر چند بچے کھچے لوگ نظام معاشرت میں اصلاح کی کوشش کرتے بھی ہیں تو حکومتی وریاستی مشینری اور جابرانہ اِقدامات سامنے آکھڑے ہوتے ہیں۔ سوات میں نفاذِ عدل کی تحریک کا انجام ہمارے سامنے ہے!

مسلم حکومتوں کا ظالمانہ رویہ

افسوسناک امر تو یہ ہے کہ اسلام جو مسلمانوں میں عمل واِقدام کی قوی ترین تحریک ہے، اور جو ہر معاملے کو عمل سے منسلک کرکے ہمیں بہترین نتائج کا وعدہ دیتا ہے، اسے ہمارے 'مسلم معاشرے' میں محض تعلیم وتعلّم کا پیشہ بنادینے تک محدود کردیا گیا ہے۔ دینی مدارس کے فضلا ہوں یا سرکاری تعلیمی اداروں کے شعبہ ہائے علوم اسلامیہ کے [illegible]، ہر دو کے فضلا کی علمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کاوشوں کا کل ارتکاز ان علوم کی مزید تعلیم تک ہی منحصر ہے اور دیگر مغربی علوم کے بالمقابل عملی میدان میں اُنہیں کھپانے کی کوئی گنجائش میسر نہیں ہوتی۔ قانون و معیشت کی جدید تعلیم حاصل کرنے والے فضلا تو نہ صرف عملی زندگی میں اس علمی صلاحیت کی بنا پر متعدد مصروفیات اختیار کرسکتے ہیں بلکہ مزید تعلیم کے لئے تدریس کے شعبے سے بھی وابستہ ہوجاتے ہیں، اس کے بالمقابل مدارس کو تو ایک طرف چھوڑیئے، یونیورسٹی یا کسی سرکاری کالج کا علوم اسلامیہ کا سند یافتہ علوم اسلامیہ کے ہر پہلو پر حاصل کردہ اپنے علم کا مصرف اس سے زیادہ نہیں پاتا کہ وہ ان کی آگے مزید تدریس کرسکے۔ کسی علم کو تدریس تک ہی محدود کردینا اور معاشرتی عمل میں استعمال میں نہ لانا اس رویہ کا غماز ہے کہ اربابِ اختیار کے پیش نظر محض اس کا تحفظ و وجود ہی مطلوب ہے، نہ کہ اس کی بنا پر اپنی اجتماعی وانفرادی زندگیوں کی تشکیل کرنا؛ یہی وجہ ہے کہ اس حد تک علوم اسلامیہ غیر مسلم ممالک کے تعلیمی اداروں میں بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ اسلام کو عملی و معاشرتی تشکیل سے نکال کر محض تعلیم و تعلّم تک محدود کردینا انتہائی ظالمانہ رویہ ہے!!

آج دین و دنیا کی جس تفریق کا رونا رویا جاتا ہے اور اس کی وجہ دو نظام ہائے تعلیم کو قرار دے کر، اُنہیں باہم متصادم باور کیا جاتا ہے، درحقیقت اس کی وجہ ان نظام ہائے تعلیم سے کہیں زیادہ ان ریاستی اقدامات میں پوشیدہ ہے جو طبقہ اختیار نے سیکولر تصورات کی بنا پر بزورِ جبر لاگو کر رکھے ہیں۔ دین و دنیا کے یہ دو واضح دائرے نہ تو ہمارے علمی اداروں کا فیض ہیں اور نہ ہی ہمارے دین کی عطا بلکہ ہمارا دین تو اسلام کی بنا پر زندگی کے ہر مرحلے کو تشکیل دینے کا پرزور داعی ہے جس کے نتیجے میں کسی مسلمان کا دین کی روشنی میں دُنیوی زندگی کی اصلاح کے لئے اُٹھایا جانے والا ہر قدم بھی آخر کار دین ہی ٹھہرتا ہے۔ اس بنا پر ہمارے سنجیدہ فکر حضرات کو ظاہری علامتوں کی بجائے نام نہاد مسلم معاشروں کی عمرانی ساخت اور اس کو قائم کرنے کے لئے حکومتی اقدامات پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

نصاب میں ترمیم یا معاشرہ کی اسلامی تشکیل؟

اس سلسلے میں محض دینی مدارس میں سماجیات کی تعلیم ہی مسئلہ کا حل نہیں جیسا کہ بعض اہل دانش کا خیال ہے بلکہ موجودہ منظّم و منضبط معاشرہ کی اسلامی تشکیل اور اس کو اسلامی تقاضوں کے مطابق اُستوار کرنا ہوگا۔ کیونکہ دینی مدارس کے طلبہ کو جدید وسماجی علوم کی تربیت دے بھی دی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے تو اس کے باوجود اُنہیں ان نئے میدانوں میں اپنا راستہ خود بنانا پڑتا ہے اور ان کی تمام تر کاوش نظریاتی میدان سے آگے نہیں بڑھ پاتی کیونکہ معاشرے میں اس کے بالمقابل متوازی ملحد تصورات کارفرما ہوتے ہیں۔ یہ مسئلہ صرف دینی مدارس کا نہیں بلکہ سرکاری تعلیمی اداروں سے اسلامیات پڑھنے والے فضلا بھی اسی صورتحال سے دوچار ہیں کہ وہ پہلے سے طے کردہ ایک مخصوص کردار کے ہی اَسیر بن کر رہ جاتے ہیں۔ معاشرہ کی اس سیکولر تشکیل کا نتیجہ ہے کہ ماضی کی اسلامی یونیورسٹیاں ہو یا دورِ حاضر کی، آخر کار اسلامی کورسز کو چھوڑ کر وہ بھی مادی ترقی کے مغربی علوم میں پناہ حاصل کرنے پر اس لئے مجبور ہیں کیونکہ فضلائے علومِ دینیہ کے لئے معاشرے میں انتہائی محدود کردار تجویز کیا گیا ہے۔

ان حالات میں محض تعلیم دے کر فضلا سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنا راستہ خود تشکیل دے لیں گے، ایک مشکل امر ہے۔ بلکہ ایسی امتزاجی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ ہر دو مروّجہ نظامہائے تعلیم کے فضلا سے بھی اجنبیت کا عذاب سہتے ہیں اور اکثر وبیشتر مطلوبہ راستہ آخر کار ترک کر دیتے ہیں۔ اپنا راستہ خود بنانے والے اور اس پر جم جانے والے لوگ ہزاروں میں کہیں ایک دو ہوتے ہیں جو اپنی داخلی صلاحیتوں کے باوصف دین ودنیا میں امتزاج کی تکلفانہ مساعی کو بروئے کار لاتے ہیں، وگرنہ معاشرے میں اس کے حقیقی امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

یہ بات بالکل درست ہے کہ سکول وکالج کے فضلا کی اپنے میدان میں کھپت اور مسجد ومدرسہ کی اپنے مخصوص میدان میں کھپت کے امکانات تو بہت واضح ہیں۔ لیکن دونوں میں جامعیت جو ہمارے معاشروں کی اصل ضرورت ہے، اس کے حامل لوگ حالات کے جبر کے تحت آخر کار پھر کسی مروّج سماجی ڈھانچے میں ہی جذب ہوکر رہ جاتے ہیں۔ اس سیکولر تقسیم کے سبب اوّل الذکر نظامِ تعلیم کا دائرۂ عمل پورا معاشرہ ہے، نتیجتاً فضلا کی ایک بہت بڑی ضرورت ہر میدان میں موجود رہتی ہے، جبکہ ثانی الذکر کے لئے بچا کھچا عوام کا پرائیویٹ مذہبی خانہ ہے، جس میں اُنہیں اپنی تمام مساعی بروئے کار لانا ہوتی ہے، نتیجتاً محض نظامِ عبادت اور رسوم ورواج کے لئے فضلا کی نہ صرف ایک محدود تعداد ہی کافی ہے، بلکہ اس کے نتیجے میں معاشرے میں دین ودنیا کی ثنویت بھی مستحکم وبرقرار ہی رہتی ہے۔ اگر آج ہمارے معاشروں میں اسلام کو اختیار کرلیا جائے یا لوگوں میں اِلحادی معاشرے کی اساسات کو تبدیل کردینے کی صلاحیت پیدا ہوجائے تو مسلم معاشرت کے ہر میدان میں علومِ اسلامیہ کے فضلا کی ضرورت اس قدر روز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فزوں ہوجائے کہ ملک میں موجود تمام تعلیمی ادارے بھی اس ضرورت کو فوری طور پر پورا کرنے پر قادر نہ ہوں جیسا کہ سعودی معاشرے میں علوم اسلامیہ کی یونیورسٹیاں پورے ملکی یونیورسٹیوں کا نصف سے بھی زائد ہیں اور ان کے فضلا کی کھپت کا کوئی مسئلہ ہی درپیش نہیں بلکہ لگاتار مزید کی ضرورت برقرار ہے۔

مدارس کے فضلا کے کردار کی محدودیت کا آج رونا پیٹا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ ہر سال فارغ ہونے والے اتنے سارے فضلا کیونکر معاشرے میں جذب ہوسکیں گے اور اس کے نتیجے میں ان کی دینی تعلیم کو محدود کرنے کی تلقین کی جاتی ہے، تو یہ بھی دراصل اسی سیکولرزم پر اعتماد اور درپیش حالات پر مطمئن ہوکر بیٹھ جانے کی تلقین ہے۔ یہ بات درست ہے کہ متروک راستوں کو دوبارہ زندہ کرنا اور اُسوۂ حسنہ سے روشنی پا کر اپنا کردار متعین کرنا ایک محنت طلب کام ہے، لیکن اس کے بغیر مطلوبہ کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی مدارس میں عبادات، باہمی اختلافات اور مذہبی رسوم ورواج کی تعلیم پر اکتفا کرنے کی بجائے پورے اسلام کی تعلیم دی جائے اور یہاں کے فضلا کو نبی اکرم ﷺ کے مکمل شخصی اور اجتماعی کردار سے روشناس کرایا جائے، انؐ کے منہج اصلاح کی تربیت دی جائے، دعوت واصلاح کی دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کرنے کی مشق کرائی جائے۔ یہ گھمبیر مسئلہ دینی تحریکوں اور مسلم حکومتوں ہر دو کی توجہ اور اصلاح کا متقاضی ہے۔ تعلیمی اداروں کو بھی اپنی تعلیم وتربیت کو ہمہ گیر کرنا ہوگا اور مسلم حکومتوں کو بھی کافرانہ معاشرت سے ممتاز ہوکر اسلامی معاشروں کو قائم کرنے کی کوشش کرنا ہوگی۔

جہاں تک اس مسئلہ کا شرعی پہلو ہے تو اس کی رو سے بھی علما کی ضرورت اس وقت تک شرعاً محدود نہیں کی جاسکتی جب تک معاشرے میں غلبہ دین حاصل نہیں ہوجاتا۔ مسلم معاشرے کی دینی ضروریات کی کفالت اور تکمیل پوری مسلم اُمہ پر اصلاً فرضِ عین ہے۔ یہ فرض چند ایسے اہل افراد کی اس مشن پر کارفرمائی کے بعد رفع ہوکر فرضِ کفایہ بن جاتا ہے جو اُمت کو مطلوب رہنمائی دے لیں، بصورتِ دیگر یہ فرض تمام اُمت پر قائم رہتا ہے۔ اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہمارے معاشرے دین کے مطلوبہ معیار کو پہنچنا تو درکنار، روز بروز بڑی تیزی سے تنزل کی طرف گامزن ہیں، ایسے میں فضلاے مدارس کی تعداد کم کرنے کی تلقین کی بجائے، ان کی اہلیت کو بہتر کرنے اور معاشرہ کا قبلہ درست کرنے کی ضرورت ہے، وگرنہ دین ودنیا کی یہ تفریق ہی ہمارا مقدر رہے گی اور ذلت وادبار کے سوا مسلم معاشروں کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عزمِ مصمم اور جہدِ مسلسل!

'اِلحادی معاشروں' سے اہل دین کو از خود کچھ نہیں مل جایا کرتا، ورنہ ہی اس کی توقع رکھنے کی ضرورت ہے۔ علومِ اسلامیہ کے فضلا کو ہر دم یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی بھی معاشرہ ٹھنڈے پیٹوں اسلامی نظام پر استوار نہیں ہو جاتا، دوسرے لفظوں میں حکمرانی سے متمتع ہونے والا طبقہ بہ سہولت یہ اقتدار اپنے ہاتھ سے نکال کر اللہ اور اس کی شریعت کے حوالے نہیں کر دیتا جس کی تعبیر و تشریح حکمرانوں کی بجائے ماہرین شریعت کا اِستحقاق ٹھہرتی ہے اور جس کے فیصلے بھی حکمرانوں کے قانون کی بجائے اللہ کی طے کردہ میزان پر ہوتے ہیں بلکہ اس کے لئے آغاز میں ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد سے گزرنا پڑتا ہے اور خونِ جگر سے قربانیوں کی داستان رقم کرنا پڑتی ہے۔

نبی اُمی ﷺ کے علمی و عملی ورثا کو دعوتِ نبویؐ کے مراحل کو ہر دم تازہ رکھنا چاہئے جب مکہ کے گرد و پیش میں آپ ﷺ نے اس دعوت کا علم لہرایا تو طبقہ حکمران نے لالچ واقتدار سے لے کر قہر و جبر کا ہر سخت سے سخت رویہ اختیار کیا، طائف سے مظلومانہ دربدری ہو یا مکہ میں شعب ابی طالب کی گھاٹیاں، قتل کی سازشیں ہوں یا طعن و اذیت کے نت نئے طور طریقے، اسی عظیم مقصد کو پانے اور اللہ کے دین کو خود اور اپنے معاشرے پر نافذ کرنے کا عزم لے کر اُٹھنے والے صحابہ کرامؓ کو وطنِ مالوف سے ہجرتیں کرنا پڑیں، اپنے مولد و وطن، کاروبار اور خویش و اَقارب چھوڑ کر اللہ کی آس پر نئی دنیا تخلیق کرنا پڑی، تب پہلی بار تاریخ میں لاکھوں قربانیوں کے بعد اسلام زندگی کے ہر میدان میں نافذ ہوا۔ بعد ازاں تیرہ صدیوں تک کسی نہ کسی شکل میں، کم وبیش اس کا نفاذ برقرار رہا، جسے جدید تہذیب واستعمار نے سیاسی جبر کی قوت پر اپنی اساسات سے اُکھیڑ نے میں کامیابی حاصل کی اور ذلت ورسوائی مسلمانوں کے مقدر میں لکھ دی۔ ادارۂ خلافت کا سقوط ہو یا اسلام کے نظامِ عدل کا کلی خاتمہ، ایسا سنگین مرحلہ مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی بار آیا۔

اب پورے دین کو نافذ کرنے کے لئے عزمِ پیہم اور جہدِ مسلسل سے گزرنا ہوگا۔ یہ داستانِ عزم و وفا بڑی دشوار گزار اور قربانیوں کی متقاضی ہے، جب تک اس مشن کے حامل و وارث علم و عمل سے مزین ہو کر مخلصانہ اور مشترکہ مساعی بروئے کار نہیں لائیں گے، اس وقت تک اُنہیں مطلوبہ نتائج کی توقع بھی نہیں رکھنا چاہئے۔ معاشرتی میدانوں میں مدارس دینیہ کی شکل میں اسلامی تعلیم کا مضمحل ادارہ ہو، یا جہاد و تحریک کی شکل میں جہد کی بچی کھچی صورتیں، یہ دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشرتی مظاہر اس وقت عالم کفر کا سب سے بڑا مسئلہ ہیں اور اِنہی سے مسلم اُمہ کے احیا کی تحریک پھر سے زندہ ہوسکتی ہے۔ کتاب وسنت کو سیکھنے سکھانے والے کسی وقت اُمت کے رجوع الی القرآن کا سبب بن سکتے ہیں اور کفر کے سامنے مزاحمت کرنے والے کسی وقت اُمہ کی سوئی ہوئی غیرت وحمیت کو جگا کر اپنے ساتھ کھڑا ہونے پر اُنہیں آمادہ کرسکتے ہیں۔

مغرب کا اساسی نظریہ؛ دین ودنیا کی تفریق

اس موضوع کے اختتام سے قبل یہ یاددہانی ضروری ہے کہ معاشرے کی دو سب سے بنیادی طاقتیں ہیں، ایک مذہب اور دوسری ریاست۔ مذہب کو دیگر علوم کے مساوی ایک معمولی حیثیت دینا اس کے مقام سے انحراف ہے بلکہ مذہب انسان کا پہلا حوالہ اور اس کی ہر لحہ کی شناخت ہے۔ یہی کسی قوم کا بنیادی تعارف ہے اور اسی بنا پر ہمیشہ سے عسکری جارحیتیں ہوتی رہیں اور آج بھی ہورہی ہیں۔ مذہب ہی دین ودنیا کی کامرانی کا محور ہے۔ اس بنا پر مذہب کو محض ایک علمی حوالہ بنا دینا یا معاشرے میں دیگر میدانوں کی طرح اس کو بھی ایک دائرۂ کار تک محدود کردینا الحادی معاشرہ کی سنگین زیادتی ہے۔ مغرب کی نام نہادُ احیاے علوم کی تحریک' دراصل مذہب سے اِنحراف کی تحریک ہے جس کی اساس علوم کو وحی واِلہام سے منقطع کرکے تجربہ ومشاہدہ پر قائم ودائم کرنا (سائنس ومذہب کا معرکہ) اور اس کے لازمی نتیجے کے طور پر انسانوں کو اللہ کی بندگی سے نکال کر ذاتی خواہشات ومفادات کا اَسیر بنانا ہے۔ مغرب میں اس تحریک کی منطقی ضروریات اور اَسباب ایک علیحدہ موضوع ہیں، لیکن اس کے لازمی نتیجے کے طور پر مذہب کو اجتماعی دائروں سے نکال باہر کیا گیا، تاہم مذہب کی اس غیر معمولی اہمیت کی بنا پر جدید تہذیب کے فکری کارپردازان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ اس کو کلی طور پر انسانوں کی زندگی سے خارج کردیا جاتا کیونکہ نہ صرف یہ ہر انسان کی فطرت کا بنیادی تقاضا ہے بلکہ اس سے انسان کا عمرانی رشتہ بھی صدیوں پرانا ہے۔ اس بنا پر مذہب وریاست میں مفاہمت کا یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ مذہب کو فرد کی ذاتی زندگی کی حد تک اختیار کرنے کو گوارا کیا جائے جہاں وہ دوسرے شخص کے ساتھ تعلقات میں مخل نہ ہو اور معاشرتی میدان میں اس کا داخلہ ممنوع قرار دیا جائے کیونکہ یہ ریاست کا دائرۂ عمل ہے۔ یہی دین ودنیا کی تفریق (سٹیٹ اور چرچ میں جدائی) ہے جس کا طعنہ دینی مدارس کو دیا جاتا ہے جبکہ درحقیقت یہ سیکولرزم کا اَساسی نظریہ ہے۔ اس طرح انسانوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاکمیت اور اللہ کی حاکمیت کے مابین ایک حدِ فاصل اور اپنے تئیں مفاہمت کرا دی گئی اور اس کے بعد سے مغربی فکر و نظریہ کی بنا پر قائم ہونے والی تمام دنیا اسی نظریے کی عملی تطبیق بن گئی۔

یہ نظریہ مغرب کا اساسی اور مستحکم ترین نظریہ ہے جس کی داخلی ضرورت یہ ہے کہ اس طرح حکمران طبقہ کی حاکمیت بھی برقرار رہتی ہے اور مذہب کو برقرار رکھنے کا دعویٰ کرکے اللہ کی حاکمیت کو محدود کرنے کا موقع بھی اُنہیں مل جاتا ہے۔ دنیا بھر حتیٰ کہ مسلم دنیا میں بھی مذہب کی بنا پر مسلم معاشرت کو جاری وساری کیوں نہیں کیا جاتا، اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ اس سے انسانوں کی حاکمیت پر قدغنیں لگ جاتی ہیں اور اُنہیں بھی اللہ کے احکامات کے تابع ہونا پڑتا ہے، کیونکہ یہ اسلام کا بنیادی تقاضا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکمران طبقہ اپنی من مانی اور حکومت کے تحفظ کے لئے کسی بھی مسلم معاشرے میں اسلامی اساسات کو استحکام دینے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ اگر سعودی معاشرہ میں آج اس کے برعکس ایک مثال موجود ہے تو اس کا ایک طویل تاریخی پس منظر اور ان پر یہ اللہ کی خاص رحمت ہے جبکہ سعودی حکمران معاشرے میں شریعت کی عملداری اور علما کی قدرومنزلت سے خائف رہتے اور اس بنا پر عوامی عتاب کا نشانہ بھی بنے رہتے ہیں کیونکہ اسلامی معاشرے کا محور ایک انسان (حکمران/بادشاہ) یا متعدد انسانوں (جمہوریت) کی حاکمیت کی بجائے فقط ایک اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی ہے جس کا حکمران (خلیفہ) بھی پابند ہوتا ہے۔

الغرض سیکولرزم مغربی تہذیب کا سب سے خطرناک وار ہے جس میں حد بندی کے نام پر زندگی کے وسیع تر دائرے کو مذہب کی حاکمیت سے نکال کر ریاست کے نام پر انسانوں کے کنٹرول میں دے دیا گیا ہے۔ ہمارے نظامِ تعلیم بھی اسی ریاستی جبر واستبداد کا شکار ہیں اور ان کے فضلا اسی ریاست کے طے کردہ ڈھانچوں کے رہین واسیر ہیں۔

دنیا آج سیکولرزم کے نظریے کے سحر میں ڈوبی ہوئی ہے، اور اس کو ایک بڑا متوازن ومہذب اور رواداری و مفاہمت پر مبنی توازن قرار دیتی ہے۔ اگر تو دنیوی سہولت اور عیش پرستی مطمحِ نظر ہوں تو ممکن ہے کہ سیکولرزم دنیوی مسائل میں کمی کرسکے، البتہ اگر دنیا میں آمد کا مقصد اللہ کی بندگی اور آخرت کی تیاری ہو، تب سیکولرزم دنیوی تعیش سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ یوں بھی دنیا کے لاکھ دعوے کے باوجود آج بھی انسانیت مذہب کی بنا پر ہی عالمی طور پر منقسم اور باہم نبرد آزما ہے۔ الكفر ملة واحدة آج بھی دنیا کی ایک مسلمہ حقیقت بن کر اُمتِ مسلمہ اور اس کے وسائل کو ہڑپ کرنے کے درپے ہیں۔ ان حالات میں اس بودے دعوے کی کیا گنجائش رہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتی ہے۔ یوں بھی سیکولرزم مسلم اُمہ کو کبھی راس نہیں آیا، چودہ صد سالہ تاریخ اس کے خلاف ایک مستحکم دلیل ہے کہ کامیابی نے ہمیشہ اس وقت مسلمانوں کے قدم چومے ہیں، جب اُنہوں نے ہر میدان میں اپنے دین کو گلے لگایا، نظریۂ جہاد کو اپنایا اور اللہ کی بندگی اختیار کی۔ مسلمانوں کی بہترین اور فلاحی ریاستیں آج اور ماضی میں بھی اللہ کی بندگی پر کارفرما ہوکر ہی مثالی ریاستیں قرار پائیں، آج اِنہی خلافتوں کے اِحیا کو ہر مسلمان تڑپتا ہے۔ جبکہ کفار نے اپنے منحرفہ مذاہب پر عمل کرکے، جو الہامی کتابوں میں تحریف کے بعد دراصل ان کے اَحبار و رہبان کی خواہشات تھیں، تاریخ کے ہر موڑ پر ذلت ورُسوائی اُٹھائی ہے اور آج بھی ایسے مذہب سے جان چھڑا کر یہودی وعیسائی ایک محدود دنیوی غلبہ اور کامیابی سے متمتع ہورہے ہیں اور ہم اپنے مذہب کو ترک کرکے ذلیل ورسوا ہیں۔ صدیوں کی اس مستحکم شہادت کے باوجود بھی کوئی مسلمان کیونکر سیکولرزم کا شیدائی ہوسکتا ہے۔ ہمارا ماضی اور حال دین اسلام کے عین منزل من اللہ ہونے کی اہم ترین دلیل ہے!!

جدید دنیا کا یہ عظیم 'نعرۂ سیکولرزم' آج ہمارے معاشروں کا اہم ترین مسئلہ ہے، جو مذہب کی نفی کی بجائے مذہب کو انتہائی محدود تر کردینے کا فلسفہ ہے، نہ صرف اسلام بلکہ تمام مذاہب کو ایک مخصوص دائرہ میں مساوی مقام وحیثیت دینے کا نظریہ ہے۔ معاشروں کی تعمیر معاشروں کے اہل علم وفضل کرتے ہیں، اسی لئے آج اس نظریہ کے خلاف کام کرنے والی درسگاہیں اور ان کے فضلا پریشان ہیں، لیکن آخرکار محمد عربی ﷺ کے ورثا کو کتاب وسنت کی الہامی ہدایت اور روحانی قوت کو ہاتھ میں لے کر معاشروں کو اپنی اساسات پر لانے کے لئے جدوجہد کرنا ہوگی، ان چیزوں کو سیکھ کر مسلم عوام کو اس کی تلقین کرنا اور اپنے ساتھ ملانا ہوگا۔ یہ منزل اجتماعی کاوش سے آسان تر ہوجائے گی، وگرنہ راستہ یونہی دشوار گزار اور کٹھن رہے گا اور ہماری بہترین مساعی کے باوجود معاشرہ روز بروز گمراہیوں کے اندھیرے غار میں اُترتا جائے گا۔

پس چہ باید کرد؟ مسلم معاشرہ کو اس کی اصل اساسات پر جن پر نبی کریم ﷺ قائم کرگئے تھے اور جسے مغربی تہذیب سے قبل کوئی فکری، نظریاتی یا عسکری قوت تہ وبالا نہ کرسکی تھی، لوٹانے کے لئے صرف علمی تحریک ہی کافی نہیں۔ اسی مقصد کے لئے معاشرے میں اصلاحی، سیاسی اور جہادی قوتیں بھی کارفرما ہیں۔ جن کا نظریہ ہے کہ مطلوبہ معاشرہ کی تشکیل اس دور میں فکر ونظر، تعلیم وتلقین اور بحث ومباحثہ کی بجائے مراکزِ قوت کی اصلاح اور ان پر قبضہ واقتدار جمانے کے بعد ہی ممکن ہوگی۔ اس باب میں متعدد نظریات موجود ہیں لیکن اس امر میں کوئی شبہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں کہ ہر نوعیت کے اِقدام سے قبل تحقیق وتعلیم کا مرحلہ آتا ہے۔ جس طریقے سے بھی یہ مقصد حاصل ہوجائے، حالات کے تحت وہی اُسلوب اس کے لئے موزوں تر ہے۔ البتہ بزورِ جبر اس کو تمام لوگوں پر نافذ کرنے کی بجائے مخلص اور متدین حضرات پر مبنی محدود معاشرے کا قیام اس کا محتاط ترین طریقہ ہے اور فی الوقت یہی طریقہ دنیا بھر میں مختلف نظریاتی گروہوں نے اختیار کررکھا ہے لیکن اس کے لئے آغاز میں جہدِ مسلسل اور بے دریغ قربانیوں کی ضرورت ہے۔

جوں جوں یہ معاشرہ وسیع تر ہوتا جائے گا، اس کو برقرار رکھنا آسان اور اس کے فوائد وسیع تر ہوتے جائیں گے اور اس معاشرے کی تشکیل کتاب وسنت کے حاملین کے ہاتھوں ہی ہوں گی جس میں دین کی تعلیم اور نبی ﷺ کی وراثتِ علمی کی حفاظت اعلیٰ ترین اعزاز ٹھہرے گی۔

دینی مدارس تو نہ عام درسگاہوں کی مثل ہیں اور نہ ہی مستقبل کا کوئی وظیفہ ان کا مطمح نظر ہے جو معاشرہ اُنہیں فراہم کرے۔ یوں بھی کوئی شخص محض تعلیم سے ہی انبیا کی وراثت پر فائز نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کیلئے خصوصی مجاہدہ اور تربیت کی ضرورت ہے۔ اس لحاظ سے فضلاے مدارس کو عام فضلا کی طرح معاشرہ سے توقعات وابستہ رکھنے کی بجائے اپنی اعلیٰ ترین منزل کیلئے بہترین مساعی بروئے کار لانا چاہئیں، اپنے علم وشعور کو بہتر سے بہترین کرنا چاہئے اور اس جادۂ حق کے 'سابقون اوّلون' بن کر عظیم ترین منزل کی طرف پیش قدمی کرنا چاہئے۔ (ڈاکٹر حافظ حسن مدنی)

ادارہ تحقیقات اسلامی اِسلام آباد کے زیر اہتمام

سہ روزہ سیمینار

جنوبی ایشیا میں اسلامی قانونی فکر اور ادارے

مؤرخہ: یکم تا ۳ راگست ۲۰۰۹ء

مقام: بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، فیصل مسجد کیمپس، اسلام آباد

سیمینار کے محاور

- فقہ اور اُصولِ فقہ میں جنوبی ایشیا کا ورثہ
- جنوبی ایشیا میں تدریس فقہ
- جنوبی ایشیا میں افتاء کا ارتقا
- جنوبی ایشیا میں نظامِ قضا
- جنوبی ایشیا کے فقہی ادارے
- فقہائے جنوبی ایشیا
- جنوبی ایشیا میں اسلامی قانون سازی
- جنوبی ایشیا کا نظام احتساب

© rasailojaraid.com